© rasailojaraid.com

نقد و استدراک

فلسفۂ نظم قرآن
نظر بر نظر

مولانا سلطان احمد اصلاحی

اس سلسلۂ مضامین کو اس مضمون پر ختم کیا جاتا ہے۔ مزید جواب الجواب کی اشاعت سے معذرت ہے۔ البتہ ذاتیات پر حملوں اور غیر متعلق مباحث سے ہٹ کر نظم قرآن کے موضوع پر مثبت یا منفی نگارشات کے لیے ہر وقت تحقیقات اسلامی کے صفحات حاضر ہیں ——— (جلال الدین)

تحقیقات اسلامی کے شمارہ سوم جولائی۔ستمبر ۹۵ء میں خاکسار کے اس کے شمارہ اول جنوری۔مارچ ۹۵ء کے مضمون 'فلسفۂ نظم قرآن۔متوازن نقطۂ نظر' پر جناب مولانا محمد عنایت اللہ اسد سبحانی اور مولانا طلحہ ایوب اصلاحی کی دو تنقیدیں شائع ہوئی ہیں۔ علمی مسائل میں مبنی بر اخلاص اور پابند حدود تنقید ہمیشہ مفید اور خوش آمدید ہوتی ہے۔ جس سے بحث کو آگے بڑھانے میں مدد ملتی ہے۔ اس لحاظ سے برادرم طلحہ اصلاحی کی تنقید اپنی کمزوریوں کے باوجود لساغنیمت ہے لیکن مولانا عنایت اللہ سبحانی کے تبصرہ میں بجائے اس کے کہ ہمارے اٹھائے گئے نکات پر جم کر گفتگو ہوتی ادھر ادھر کی باتیں چھیڑ دی گئی ہیں۔ تبصرے کی قوت سے کوئی چیز ثابت کرنے کے بجائے ابتدا ہی میں ایک پوری چارج شیٹ ہے۔ اس طرح کی چارج شیٹ کے لیے 'فلسفۂ نظم قرآن' ہی کا کیا خصوص ہے۔ اسے تو ہر تحریر اور ہر مضمون پر یکساں چسپاں کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ اس تبصرے کی سب سے بڑی کمی یہ ہے کہ اس میں مفسرین کے اس طبقے سے سرے سے تعرض نہیں کیا گیا جو نہ صرف یہ کہ کتاب اللہ میں کسی قسم کے نظم و ارتباط کا قائل نہیں بلکہ اس کا شدید ترین مخالف ہے۔ جس میں عز الدین بن عبد السلام اور قاضی شوکانی کے رتبے کی شخصیتیں شامل ہیں۔ عز الدین بن عبد السلام م ۶۶۰ھ شیخ الازہر جو اپنے دور میں علم و عمل ہر دو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پہلو سے مرجع خلائق تھے اور قاضی شوکانی م ۱۲۵۰ھ جن کی تفسیر فتح القدیر کو عالم اسلام میں مرجع کی حیثیت حاصل ہے اور جو واقعہ ہے کہ حسن ترتیب کے علاوہ روایت و درایت کی جامعیت کے پہلو سے جیسا کہ یہ اس کے نام کا حصہ ہے، لاجواب ہے۔ "فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ" سے مراد اگر کتاب اللہ کے نظم سے غفلت ہے جیسا کہ مولانا فراہیؒ کی تقلید میں تبصرہ نگار کا اصرار ہے تو اس کا اطلاق ان بزرگوں پر ہوتا ہے یا نہیں اور اگر نہیں ہوتا ہے تو اس کی دلیل کیا ہے؟

۲۔ تبصرہ نگار کی یہ دوسری غلط فہمی ہے کہ "فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ" سے مراد تورات و انجیل کا باہمی در و بست اور ایک آیت سے دوسری آیت کے ارتباط کا غیر مرئی خلا ہے جسے پر کرنے کی ذہنی کاوش کا سلسلہ تا قیامت جاری رہ سکتا ہے۔ "مِمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ" کا مطلب تورات و انجیل کی آیات کے ربط کا انسانی فہم نہیں بلکہ ان دونوں کتابوں میں لفظ و معنی پر مشتمل اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ آیات ہیں۔ اس لیے کہ اسی آیت کریمہ کا پہلا فقرہ ہے "يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ (مائدہ ۵: ۱۳)"۔ مائدہ آیات ۱۳، ۱۴ میں تورات و انجیل کے حوالے سے یہ مضمون دو جگہ ہے۔ آیت ۱۳ میں تورات کا تذکرہ ہے جس کے خطاب کا آغاز "بنی اسرائیل" سے ہوتا ہے: وَلَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا .... فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ۔ متعلقہ ٹکڑے کی تفسیر میں صاحب جلالین فرماتے ہیں:

(یحرفون الکلم) الذی فی التوراۃ من نعت محمد صلی اللہ علیہ وسلم وغیرہ (عن مواضعہ) التی وضعہ اللہ علیہا ای یبدلونہ	یہود کلام کو بدلتے ہیں یعنی کہ وہ جو تورات میں ہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر کی تعریف سے متعلق یعنی کہ اسے اس کی اس جگہ سے ہٹاتے ہیں جو اللہ نے اس کے لیے ٹھہرائی ہے۔

آگے کے ٹکڑے کی تفسیر میں کہتے ہیں:

(ونسوا) ترکوا (حظا) نصیبا (مما ذکروا) امروا (بہ) فی التوراۃ من اتباع محمدؐ (تفسیر الجلالین/۱۳۸، بیروت ۲۰۰۳ء)	اور انھوں نے چھوڑ دیا اس کے ایک حصے کو جس کی کہ ان کو نصیحت کی گئی تھی یعنی کہ وہ جو تورات میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے متعلق ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بعد کی آیت کریمہ میں یہی بات نصاریٰ کے حوالہ سے کہی گئی:

وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّا نَصٰرٰىٓ اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ (مائدہ: ۱۴)

اور وہ لوگ جو اپنے کو نصاریٰ کہتے ہیں ہم نے ان سے بھی عہد لیا تو انھوں نے اس کے ایک حصہ کو چھوڑ دیا جس کی کہ ان کو نصیحت کی گئی تھی۔

اس کے زیر نظر حصے کی تفسیر جلالین اس طرح کرتے ہیں:

(فنسوا حظا مما ذكروا به في الانجيل من الايمان وغيره ونقضوا الميثاق (جلالین، محولہ بالا)

تو انھوں نے اس کے ایک حصے کو چھوڑ دیا جس کی ان کو نصیحت کی گئی تھی یعنی کہ انجیل میں ایمان اور دیگر سے متعلق اور انھوں نے اپنے سے باندھے ہوئے عہد کو توڑ ڈالا۔

اس مفہوم کو اگلی آیت کریمہ بالکل کھول دیتی ہے:

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ۔ (مائدہ: ۱۵)

اے اہل کتاب تمہارے پاس ہمارا رسول آگیا ہے جو تمہارے لیے بہت ساری چیزوں کو کھول کر بیان کرتا ہے جو کتاب (تورات اور انجیل) سے تم چھپاتے تھے۔ اس کے باوجود وہ بہت سی چیزوں کو نظر انداز کرتا ہے۔ بلاشبہ اب تمہارے پاس (قرآن کی صورت میں) ایک روشنی اور ایک کھلی ہوئی کتاب آچکی ہے۔

جہاں 'کتاب' کو چھپانے کی بات کہی گئی ہے۔ کتاب کا مطلب الفاظ اور عبارت ہے، اس سے تورات اور انجیل کے نظم کا استنباط بالکل دور کی کوڑی لانا ہے۔ نظم قرآن کے حق میں چاہے جو بھی دلائل دیئے جائیں، مائدہ کی زیر نظر آیات کا اس مضمون سے کوئی تعلق نہیں۔ مولانا فراہیؒ کا یہ بہت ہی کمزور نکتہ ہے جس کو محض دہراتے رہنے سے اس کے اندر قوت نہیں پیدا ہو سکتی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۳۔ یہ امت نظم قرآن کی قائل نہ ہو تب بھی خیر امت ہے اور قیامت تک رہے گی۔ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کی اس کے حق میں سند ہے۔ اس کے باوجود جب فتن کی روایات ص۴۲، ۴۳ میں بعد کے زمانے میں اس امت کے گمراہی کے راستوں پر پڑ جانے اور یہود و نصاریٰ کی روش پر عامل ہو جانے کی بات کہی گئی ہے تو اس کی توجیہ کی ضرورت ہے جو ظاہر ہے، یعنی کہ امت اپنے آپ کو اِس طرزِ عمل سے بچائے جس سے کہ اس کی خیر بنت کا استحقاق باقی رہے۔ ورنہ اگر امت کا ایک طبقہ اس کا شکار بھی ہوگا تو 'لن یزال ھٰذا الدین قائما' کے بموجب اس کا دوسرا طبقہ اللہ تعالیٰ کی مدد سے جادۂ حق پر قائم ہوگا۔ لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ جادۂ حق پر مستقیم یہ طبقہ لازماً قائلین نظم قرآن ہی کا ہوگا، غیر قائلین نظم قرآن کا اس میں داخلہ نہ ہو سکے گا۔

نسائی شریف کی روایت کہ 'ایک زمانے میں قرآن ایک وادی میں اور لوگ دوسری وادی میں ہوں گے'، ص۴۴ صد فی صد درست جس کا مقصد ہے کہ امت اپنے کو کتاب اللہ سے زیادہ سے زیادہ جوڑے رکھے۔ اس سے یہ کہاں سے نکل آیا کہ دوسری وادی میں جو لوگ ہوں گے وہ لازماً غیر قائلین نظم قرآن ہی ہوں گے۔ قائلین نظم قرآن کا اس وادی سے کوئی تعلق نہ ہو گا۔

مضمون نگار نے حدیث کے راوی، کتاب اور باب کے ذکر کے بغیر محض (سنن نسائی) کا ناقص حوالہ دیا ہے۔ اس روایت کا نسائی شریف میں کہیں سراغ نہیں ملا۔ دیگر امکانی قریبی مآخذ سے بھی خاص اس روایت کا کوئی پتہ نہیں لگ سکا جس سے شبہ ہوتا ہے کہ ص۴۲، ۴۳، ۴۴ کی تمام روایات اصل سے مراجعت کے بغیر ثانوی اور ثالثی حوالوں سے نقل کی گئی ہیں اور اسی مصلحت سے ان تمام حوالوں کو ناقص رکھا گیا ہے۔

۴۔ تبصرہ نگار کا اصرار ہے کہ تفسیر کے مختلف و متنوع اقوال میں راہ صواب پانے کا ایک ہی طریقہ نظم قرآن ہے۔ لیکن اقوال کا تعدد تو تفسیر ہی میں نہیں، حدیث، فقہ ہر جگہ قدم قدم پر ہے۔ سوال یہ ہے کہ وہاں کس نظم کی مدد سے ان مختلف و متعدد اقوال میں راجح اور قوی قول کو اختیار کیا جائے گا۔ نظم کے بغیر جس طرح حدیث اور فقہ میں راجح قول کو پانے کی کوشش کی جاتی ہے تفسیر میں بھی اس کو اسی طرح پانے کی کوشش کی جا سکتی ہے۔ نظم کلام بلاشبہ ایک حد تک فہم کلام میں معاون ہوتا ہے۔ توقیفی مان کر کتاب اللہ میں بھی اس سے استفادے میں حرج نہیں، لیکن زیر نظر نمائندگی کے پس منظر میں تنہا فراہی نظم قرآن خطرے سے خالی نہیں۔ اپنے مضمون میں مثالوں کے ذریعہ ہم اس کی وضاحت کر چکے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۵۔ یہ بات کہ فلسفۂ نظم قرآن ہی کی برکت سے مولانا فراہیؒ نے قرآن کی مختصر سورتوں کی لمبی تفسیریں لکھیں اور معانی کے دریا بہائے، یہ بات بھی بہت زیادہ مستقیم نہیں۔ اس کے سلسلے میں دوسری بات بھی کہی جاسکتی ہے کہ اپنے مخصوص فلسفیانہ ذہن کے ساتھ خیال آفرینی میں مولانا بہت دور نکل گئے ہیں۔ جس کے نتیجے میں بسا اوقات ان تفسیری رسالوں میں 'فیہ کل شیٔ الا التفسیر' کا رنگ پیدا ہوگیا ہے۔ مختصر سورتوں کی لمبی تفسیریں لکھنا ہی سب سے بڑا کارنامہ ہو تو اسی درجہ کے نظم قرآن یا اس کا بالکل قائل نہ ہوتے ہوئے بھی امت میں اس کی دوسری مثالیں نایاب نہیں ہیں۔ ابن قیم کی تین ضخیم جلدوں کی 'مدارج السالکین' کا بڑا حصہ سورۂ فاتحہ کی ایک آیت کریمہ 'ایاک نعبد و ایاک نستعین' ہی کی تفسیر ہے۔ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی تفسیر معوذتین کو ان کے حلقے میں علم کا پہاڑ سمجھا جاتا ہے اور آخر میں تین سو صفحات سے اوپر کی مولانا ابوالکلام آزادؒ کی تفسیر سورۂ فاتحہ کیا نکات سے بالکل خالی ہے۔ جبکہ ان کے یہاں نظم قرآن کی بہر حال وہ شوراشوری نہیں ہے۔

۶۔ محققین صوفیاء کے فہم قرآن کی نسبت سے جو بات کہی گئی تھی اس کے سلسلے میں تبصرہ نگار کی گفتگو بالکل مکابرہ اور کٹ حجتی ہے۔ یہ کب کہا گیا تھا کہ ان بزرگوں کے یہاں کتاب اللہ کی کوئی مرجوح اور کمزور تاویل نہیں ہے۔ بجائے اس کے کہ ان بزرگوں کے قابل قبول مثبت فہم قرآن کے نمونوں پر توجہ مرکوز کی جاتی جو ہماری تحریر کا اصل منشا تھا، پٹے پٹائے ان کے کمزور اقوال کا حوالہ دیا گیا اور اس پر بھی طنطنہ 'تصوف کے بنیادی مراجع سے نمونے پیش کرنے' (ص۲۸) کا ہے اور انحصار تمام تر مولانا عروج قادریؒ کے مجموعہ مضامین پر ہے۔ تصوف کے موضوع پر تبصرہ نگار کی رسائی اگر مولانا عروج قادریؒ سے اوپر نہ تھی تو انہی کی دوسری کتاب 'اسلامی تصوف' بھی ہے جہاں سے دوسرے رنگ کے نمونے بھی مل سکتے تھے۔ انجمن طلبہ قدیم مدرسۃ الاصلاح کو اگر 'فراہیات' سے فرصت ملے اور وہ 'فہم قرآن اور صوفیاء عظام' اور 'فہم قرآن اور فقہائے امت' جیسے عنوانات پر بھی سیمینار منعقد کرسکے تو وابستگان فراہی کو اس موضوع کی اہمیت کے ساتھ اس کی عظمت اور وسعت کا اندازہ ہوسکے۔

۷۔ 'ارسلنا علیٰ' پر زور اس لیے ہے کہ مولانا فراہیؒ جیسے ماہر لغت و ادب سے چوک ہوگئی اور وہ کتاب اللہ میں اس کے مواقع استعمال کا استقصاء نہیں کرسکے اور اس کی وجہ سے نظم قرآن اور اسلوب عربی کی روشنی ہی میں ان کی سورۂ فیل کی تفسیر الٹی ہوگئی۔ لیکن اب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جو استاد سے غلطی ہوگئی تو شاگردوں کے لیے قیامت تک کے لیے اس غلطی کو دہرانا ضروری ہوگیا۔ لفظ 'حجارہ' کی مولانا سبحانی کی کمپیوٹری تحقیق انہی کو مبارک ہو۔ 'حجارہ' ہر حال میں اگر بڑی بڑی سلوں اور چٹانوں سے ہٹ کر اونٹ کے سر کے برابر کے حجم کے پتھروں ہی کے لیے ہو تو یہود جن کے بارے میں قرآن نے کہا تھا کہ ان کے دل سخت ہو کر پتھروں کے مانند ہوگئے ہیں: ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً' (البقرہ: ۷۴) زمانہ نزول قرآن میں ان کے دل کے اس درجہ بڑھ جانے کی بیماری کے نتیجہ میں کتاب اللہ کی مخاطب اس پوری قوم کا ہی کام تمام ہو جاتا۔ اور عہد فاروقیؓ میں جزیرۃ العرب سے اس کے اخراج کی وصیت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کی ضرورت ہی باقی نہ رہتی۔ درحقیقت اپنے اسلوب کی طرح اپنی لغت کے بارے میں بھی کتاب اللہ بڑی حد تک اپنے آپ کی شارح ہے جس کے لیے عام طور پر کلام جاہلیت کو بنیاد بنانے کی بہت زیادہ ضرورت نہیں ہے۔

۸۔ ایک بات یہ کہی گئی ہے کہ دین میں واجبات و فرائض کی تعیین خالص خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کام ہے ص۵۵۔ نظم قرآن میں شغف اور انہماک اچھی بات ہے لیکن اس کا نتیجہ نہیں نکلنا چاہیے کہ آدمی فقہ و اصول فقہ کے مبادیات کو بھی نظر انداز کر دے۔ قرآن و سنت کے پورے ذخیرے میں کہاں اور کس حکم کے فرض یا واجب ہونے کی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے صراحت ہے۔ یہاں تو ہر حکم کے لیے صیغہ امر اور اس کے متنوع اسالیب کا استعمال ہے جس طرح کہ ممانعت کے لیے نہی کے مختلف صیغوں کا استعمال کیا گیا ہے۔ اب یہ کام خالص علمائے امت کا ہے کہ وہ امر کے صیغے سے فرض، واجب، مسنون اور مستحب کا استنباط کریں جس طرح کہ نہی کے صیغے سے حرام، مکروہ تحریمی، تنزیہی اور مباح کا استنباط کیا جاتا ہے۔ حالات کی تبدیلی اور زمانہ کے آگے بڑھتے رہنے سے نئے امور پر ان متنوع احکام کا اطلاق و انطباق علماء امت کا کام ہی نہیں بلکہ ان کی اہم ترین ذمہ داری ہے۔ امت میں ناپسندیدہ کتابوں کا معاملہ اسلام کے نظام حسبہ سے متعلق ہے جس سے متعلق احکام کے ایک جائزے کے لیے مولانا جلال الدین عمری کی 'معروف و منکر'، صفحات ۳۸۹ — ۳۹۱ سے رجوع کیا جا سکتا ہے (مطبوعہ مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی بار دوم مئی ۱۹۸۵ء)

۹۔ تبصرہ نگار کی کتاب 'البرہان فی نظام القرآن' کا نام 'فی علوم القرآن' راقم نے دوسرے فراہی سمینار کی قومی آواز نئی دہلی میں شائع شدہ رپورٹ کے حوالہ سے یادداشت کے اعتماد پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لکھ دیا تھا۔ اِس وقت اس کی ۲۰؍اکتوبر ۱۹۹۴ء کی اشاعت کی مراجعت سے یہ نام اس میں 'البرہان فی دلائل النظام' شائع ہوا تھا جس کی کوئی تصحیح بعد میں شائع نہیں ہوئی۔ اس سمینار میں خاکسار کی شرکت نہیں ہوسکی جہاں یہ کتاب ڈسپلے تھی۔ کتاب کی یہ اہمیت نہیں سمجھی گئی کہ محض اس کے نام کی تحقیق کے لیے یہاں سے اعظم گڑھ کے لیے شدّ رحال کیا جاتا۔ یوں بھی جامعۃ الرشاد کی فرضی ڈگری کے نتیجے میں تیار ہونے والی اس ریسرچ تھیسس کے مطالعہ کے لیے حد درجہ کراہیت کے ساتھ ہی یہ گنہگار اپنے کو آمادہ کرسکتا ہے۔ اصل مسئلہ اس کی اوریجنلٹی کا ہے جس کے سلسلہ میں صاحب کتاب صاف لفظوں میں یہ نہیں کہہ رہے ہیں کہ یہ ابوجعفر اندلسی غرناطی کے مخطوطے کا چربہ نہیں ہے۔ وہ اس کی تردید کرتے ہیں کہ فاتحہ تا آل عمران کے اس کے کل ساڑھے پانچ صفحات کو انھوں نے ۶۳۰ صفحات پر پھیلایا ہے۔ ص۶۰ لیکن مولانا سبحانی میں لاطائل طویل نویسی کی جو کمزوری ہے اس کے لیے ۵½ صفحات کے مضمون کو ۶۳۰ صفحات پر پھیلا دینا کچھ مشکل نہیں۔

۱۰۔ حقیقت رجم کس کا چربہ ہے؟ حقیقت رجم مولانا فراہیؒ اور ان کے بالواسطہ اور بلاواسطہ شاگردان کرام سے استفادہ کا چربہ ہے۔ مولانا فراہیؒ نے اپنے غیر مطبوعہ قرآنی حواشی اور 'احکام الاصول' میں اس کا شوشہ چھوڑا۔ دوسرے بزرگوں کی زبانی تبلیغ کے علاوہ بعد میں مولانا فراہیؒ کے عربی متن کا نام لیے بغیر مولانا امین احسن اصلاحی نے تدبر قرآن سورۂ نور میں اردو میں اس کی شرح کی۔ تفصیل کے لیے ہمارا مضمون 'مولانا فراہیؒ کا مسلک حدیث'، تحقیقات اسلامی ۱۹۹۴ء شمارہ اول ص۷۹۔۸۰ اس سے پہلے یہ نکتہ خوارج کا رہا ہے اور دلچسپ بات یہ ہے کہ نکتے کی حد تک پورے مکتب فراہی میں خوارج پر کوئی اضافہ نہیں ہے۔ جس کے ایک جائزے کے لیے مکتبہ ذکری رام پور کی شائع کردہ مولانا غلام محمد منصوری کی مختصر کتاب 'حد رجم' کا مطالعہ ہی کفایت کرسکتا ہے۔ (اشاعت اول اکتوبر ۱۹۸۲ء) کم مطالعہ اصلاحی بزرگوں نے مولانا فراہیؒ کے اس نکتے کو بے سوچے سمجھے لپک کر تھاما۔ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا کے مصداق مولانا سبحانی کی زیر نظر کتاب اب ان غریب اصلاحیوں کے لیے بیساکھی کا کام دے رہی ہے۔ یہ بات کہ 'حقیقتِ رجم' لائبریریوں پر لائبریریاں کھنگال کر مرتب کی گئی ہے، ص۵۷ مبالغہ آمیز ہے۔ کسی کتاب پر مصنف نے کتنی محنت کی ہے اس کے لیے ڈھول پیٹنے کی ضرورت نہیں، تحریر خود اس کا پتہ دیتی ہے اس کی روشنی میں 'حقیقت رجم' میں مصنف نے کتربیونت اور التباس آفرینی میں تو بلاشبہ بہت محنت کی ہے، جہاں تک نفس تحقیق کا سوال ہے 'حقیقت رجم' کوئی غیر معمولی چیز نہیں۔ اللہ کے فضل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے ادارۂ تحقیق کے کارکنوں کے یہاں ریسرچ اس سے کم نہیں ہے، لیکن اس طرح کے کسی اعلان کے بغیر ارباب نظر ان کے کاموں کے وزن کو آسانی کے ساتھ محسوس کر سکتے ہیں۔

اس تبصرے کی دوسری باتیں جو اس کا بڑا حصہ ہیں ردعمل کی کیفیت کی آئینہ دار اور ذہنی مندوری کا نتیجہ ہیں جس کے سلسلے میں تبصرہ نگار کے ساتھ ہمدردی کا ہی اظہار کیا جا سکتا ہے۔

(۲)

لاطائل طویل نویسی سے احتراز، ترتیب کی عمدگی اور ٹو دی پوائنٹ ہونے کے لحاظ سے، دوسرا تبصرہ جیسا کہ عرض کیا گیا، بساغنیمت ہے۔ گو کہ خیالات کی کمزوری تقلیدیت کے اثر سے یہ بھی خالی نہیں۔ ساتھ ہی ردعمل کی چھاپ یہاں بھی کم نہیں ہے جو ہمارے بحث و نظر کے دائرے سے خارج ہے۔ اس سے ہٹ کر قابل توجہ پہلوؤں کا تذکرہ کیا جاتا ہے:

۱۔ ص ۶۷ پر یہ بات کہ مصنف وہی تحقیقات سامنے لائے جس پر اسے شرح صدر ہو، ہر وہ نکتہ جو اس کے ذہن میں آئے وہ اسے حیطۂ تحریر میں نہ لائے۔ سوال یہ ہے کہ اس کی دلیل کیا ہے۔ یہ بات تو صحیح ہے کہ مصنف کو اپنی جس تحقیق پر شرح صدر نہ ہو وہ اسے اس طرح نہ بیان کرے جیسے کہ اسے اس پر شرح صدر ہے۔ کسی نکتے کو آگے بڑھانے کے لیے یا اس کے سلسلے میں اہلِ علم کی رائے جاننے کے لیے وہ اسے اسی حیثیت میں پیش کرے تو اس میں کیا قباحت ہے۔ عصری جامعات کی بے جان ریسرچ میں یہ چیز ممنوع و محذور (TABOO) ہو تو ہم کو اس کے پیمانے منظور نہیں۔ اسلامیات کی زندہ ریسرچ کی یہ قدیم روایت ہے۔ تفسیر، حدیث، فقہ کے پھیلے ہوئے ذخیرہ میں 'قیل'، 'وقد یقال' (کہا گیا ہے، کہا جاتا ہے) جیسے صیغوں سے بیان کیے گئے نکات و آراء کے نمونے قدم قدم پر دیکھے جا سکتے ہیں اور کم از کم فراہی مکتب فکر کے لیے تو یہ چیز بالکل اجنبی نہیں۔ 'مجھے لگتا ہے' اور 'مجھے خیال ہوتا ہے' جیسے صیغوں کے ادھ کچے خیالات سے 'تدبر قرآن' کے صفحات بھرے ہیں اور حضرت فراہی کے یہاں بھی اس کے نمونے نایاب نہیں ہیں۔

۲۔ اسی صفحہ پر یہ مشورہ کہ ہر جگہ پہلے مولانا فراہیؒ کے خیالات کا تفصیلی تعارف کرایا جاتا پھر اس پر اظہار خیال کیا جاتا، بوجوہ ناقص ہے۔ یہ مضمون 'فلسفۂ نظم قرآن' کے سلسلے میں متوازن نقطۂ نظر کے بیان کے لیے لکھا گیا تھا۔ مولانا فراہیؒ کے نظریۂ نظم قرآن کا تعارف اس کا منشا نہ تھا۔ یہ خدمت تو نصف صدی سے وابستگان فراہی انجام دے ہی رہے ہیں۔ پھر مکھی پر مکھی مارنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی کیا ضرورت ہے۔ یہ بات بلاشبہ درست ہے کہ 'مدرسۃ الاصلاح' اور 'جامعۃ الفلاح' کو ان کے اپنے دساتیر سے انحراف کرتے ہوئے عملی طور پر فکر فراہی کے مراکز میں تبدیل کر دیا گیا ہے، جس کی اصلاح جس قدر ممکن ہو سکے عین تقاضائے انصاف ہے۔

۳۔ ص۶۸ پر مبصر کا یہ کہنا کہ ہمارے مضمون کا عنوان 'نظم قرآن ترتیب آیات و سور کا لازمی تقاضا' نام لیے بغیر مولانا فراہی کے فکر کی ترجمانی ہے، واقعہ کے مطابق نہیں۔ اس عنوان کے تحت ہم نے جو تفصیل کی ہے اور اس کے حق میں جو دلائل فراہم کیے ہیں، مولانا فراہیؒ نے ان دلائل کے ساتھ یہ تفصیل کہیں نہیں کی، تفسیر سورۂ قیامہ میں اس مسئلے پر مولانا کا رنگ بالکل دوسرا ہے۔ موازنہ سے دونوں کے فرق کو دیکھا جا سکتا ہے۔ اس سے ہٹ کر جہاں تک عام اخذ و استفادہ کا تعلق ہے تو علم کی دنیا میں ہر وقت جاری رہتا ہے، ہر ہر قدم پر اس کا حوالہ دینا ممکن بھی نہیں اگر ہر پس رو کو اپنے پیش رو کی رائے کا ہر موقع پر حوالہ دینا ضروری ہے آیتوں کے ساتھ کتاب اللہ کی سورتوں کے توقیفی ہونے کا نکتہ بھی حضرت فراہیؒ کا کوئی طبع زاد نہیں ہے۔ اس سے پہلے ابو جعفر غامس، ابن الحصار اور حافظ ابن حجر وغیرہ اس کے قائل رہ چکے ہیں۔ جیسا کہ ہمارے مضمون میں حاشیہ ۵۰ کے تحت اس کی تفصیل ہے۔ کیا حضرت فراہیؒ نے ہر جگہ اس بحث کے ضمن میں ان پیش رو بزرگوں کے حوالہ کا اہتمام کیا ہے اور اگر نہیں کیا ہے اور بالکل نہیں کیا ہے تو ہمارے ہی لیے اس کڑی شرط کا کیا جواز ہے۔ اس موقع پر یہ نکتہ خاص طور پر پیش نظر رکھنے کا ہے کہ مولانا فراہیؒ کی اکثر تفسیری آرا امہات کتب تفسیر سے ماخوذ و مستنبط ہیں۔ وابستگان فراہیؒ چونکہ مولانا کی چیزوں سے ہٹ کر بہت کم پڑھنے کے عادی ہیں اس لیے انھیں ان کی ہر تفسیری رائے اور نکتہ بالکل طبع زاد اور اچھنبل بلکہ 'بیض مکنون' نظر آتا ہے۔ اسی صفحہ پر "نظم قرآن کا ایک نیا پہلو" کے زیرِ عنوان ہماری عاجزانہ گفتگو کو 'تک بٹھانے کی کوشش' قرار دیا گیا ہے۔ مولانا فراہیؒ اور ان کے شاگردانِ کرام کے بیان کردہ نظم قرآن ہی کے الہامی ہونے کی کیا دلیل ہے۔ تک بندی کا الزام تو اس پر بھی عائد ہو سکتا ہے اور شاید اسی الزام سے بچنے کے مقصد سے مفسرین کی ایک جماعت کتاب اللہ کی نسبت سے اپنے کو اسی فلسفہ کے بوجھ سے آزاد رکھنا چاہتی ہے۔

۴۔ مولانا سبحانی کی کتاب کے نام میں تسامح کی بات پہلے آ گئی ہے۔ 'البرہان فی ترتیب سور القرآن' کے مصنف کا نام میری ڈائری میں ویسا ہی نوٹ ہے جیسا کہ دوسرے مبصر نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صفحہ پر لکھا ہے۔ بسبقت نظر سے صحیح نام لکھنے میں چوک ہوگئی۔ جس کی نشاندہی کے لیے راقم دونوں مبصروں کا شکر گزار ہے۔ کوئی الزامی جواب مقصود نہیں لیکن اتفاق کی بات یہ ہے کہ حضرت فراہیؒ کے یہاں تو صحاح کی روایات کے نقل میں 'تہاون' ہے۔ اکثر و بیشتر حدیثوں کو زبانی یادداشت سے اپنے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ جس کے نمونوں کی نشاندہی ہم اس سے قبل کر چکے ہیں (مسلک حدیث، تحقیقات اسلامی ۹۴ء، شمارہ اوّل ص ۷۹-۸۰)۔ لیکن ابھی تک وابستگان فراہیؒ میں سے کسی دوسرے کو اس اہم ترین چوک کی نشاندہی اور اس کی اصلاح کی توفیق نہیں ہوئی۔ مولانا مسعود عالم ندویؒ کے مخطوطے کے نوٹ کو اس لیے نقل کیا گیا کہ مخطوطات سے دلچسپی رکھنے والوں کی معلومات میں ایک قیمتی اضافہ ہو جائے۔ حواشی کا یہ ضمنی فائدہ ہے جس کی ضرورت سے ہی ان کو اصل مضمون سے الگ رکھا گیا ہے۔

۵۔ مولانا سبحانی کی تقیس کی ضمانت کی بات پہلے آگئی۔ یہ بات کہ دونوں موصوف کی یہ کتاب ابو جعفر اندلسی غرناطی م ۷۰۸ھ کے مذکورہ مخطوطے کا چربہ ہے یہ کسی ایرے غیرے کا نہیں اس کتاب پر یہ میرے قابل احترام استاد اور اتالیق مولانا طلحہ ایوب اصلاحی کے والد گرامی جناب مولانا محمد ایوب اصلاحی حال استاذ تفسیر و ادب مدرسۃ الاصلاح کا تبصرہ ہے۔ مولانا سبحانی ان کے گھر کے آدمی ہیں اور یہ ایک صاحب خانہ کی شہادت ہے 'وصاحب البیت ادری بما فیہ' جہاں تک سونے اور تھرماکول کا سوال ہے تو یہ اپنی اپنی پسند ہے۔ لیکن بہر حال اس بے مایہ کا تھرماکول اوریجنل ہے۔ یہ مانگے کا اجالا اور کسی اندلسی غرناطی کا عکس نہیں۔

۶۔ اسی صفحہ ۷۰ پر تفسیر سورۂ فیل کے حوالہ سے ایک بات یہ کہی گئی ہے کہ اس کے سلسلے میں صرف اپنے دلائل پر اکتفا کیا جاتا تائید میں کسی شخصیت کا نام لینے کی ضرورت نہ تھی۔ یہ کون سا قرآنی اصول ہے کہ ہر مسئلہ میں آدمی صرف اپنے دلائل بیان کرے اور اس کے حق میں کسی دوسرے اہلِ علم کی رائے کا ذکر نہ کرے۔ سلف سے لے کر خلف تک اسلامیات کے پھیلے ہوئے ذخیرے کی یہ مسلمہ روایت ہے۔ جہاں اکثر و بیشتر دلائل کی تفصیل کے بغیر کسی رائے کی قوت کے لیے دیگر اہل علم کے ناموں کے ذکر پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ حدیث اور فقہ کے علاوہ تفسیر کے لیے بھی یہ کوئی اجنبی چیز نہیں۔ تفسیر طبری کا تو مابہ الامتیاز یہی ہے کہ ہر تفسیری رائے کے حق میں وہ اس کے قائلین کا نام کی صراحت کے ساتھ ذکر کرتے جاتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تفسیر اور حدیث کے علاوہ فقہ میں تو یہ چیز اور بھی نمایاں ہے۔ فقہائے صحابہ سے لے کر اپنے اپنے عہد کے علماء و فقہاء کی آراء کا تذکرہ مختلف مسائل میں فقہ کا عام طرز بیان ہے۔ جس کے ایک نمونے کے لیے ابن قدامہ حنبلی م ۶۲۰ھ کی المغنی کو پیش نظر رکھا جا سکتا ہے۔ لیکن اگر تبصرہ نگار کو اپنے اصول پر ہی اصرار ہے تو سوال ہے کہ فکر فراہی کے حاملین تفسیری مسائل میں صرف دلائل پر اکتفا کیوں نہیں کرتے اور کیوں ہر سانس میں مولانا فراہی کا کلمہ پڑھنا ضروری سمجھتے ہیں۔ تازہ مثال میں 'حقیقت رجم' میں ۳۷ علمائے عظام کی تائید کیوں پیش کی گئی ہے۔ جب کہ ان میں سے بعض وہ ہیں جو تحریری طور پر اس سے اپنی برأت کا اعلان کر رہے ہیں۔ (مولانا عبدالسلام رام پوری، فکری فساد، محولہ بالا ۲۹، ۳۰) اس فہرست میں مذکور مولانا ابو اللیثؒ اور مولانا عبدالمجیدؒ پر یہ سر تا سر بہتان ہے اور اس کی جونیر فہرست کی ہماری تائید کے لیے مولانا ابو اللیثؒ کے علم و فضل کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں ہے۔ یہ بات کہ تفسیر سورۂ فیل کا مولانا ابو اللیثؒ کا استفادہ ان کی حیات میں کیوں سامنے نہیں آیا۔ سامنے آیا اور برابر آتا رہا۔ ہاں تحریری طور پر بعد میں سامنے آیا۔ رفیق منزل کے متعلقہ شمارے مولاناؒ کی حیات میں شائع ہو جاتے تو یہ استفادہ بھی ان کی حیات ہی میں تحریری طور پر سامنے آجاتا۔ مولانا ابو اللیث بلا شبہ غیر معمولی طور پر ذہین و فطین اور محتاط آدمی تھے اور اسی کا تقاضا تھا کہ وہ "غیر اہل" لوگوں کے سامنے نازک مسائل پر اظہار خیال سے احتراز کرتے تھے۔ عوامی شورش کے اندیشے سے فتنے کی روایات کو حضرت ابو ہریرہؓ نے بھی اپنے آخری وقت تک چھپائے رکھا تھا۔ راقم کی روایت سے مولانا ابو اللیثؒ کی مولانا فراہیؒ کی تفسیر سورۂ فیل پر یہ آخری رائے ہے۔ اس سے پہلے اگر ان کی اس سلسلے میں دوسری رائے تھی بھی تو اس کے بعد اسے منسوخ ہونا چاہیے۔

۷۔ ص ۱۷ کے حوالے سے 'حقیقت رجم' کا ایک علاج کے طور پر جناب حکیم محمد ایوب صاحب کی مرتبہ کتاب 'فکری فساد' منظر عام پر آچکی ہے۔ (اشاعت اول ۱۹۹۵ء فلاحی بکڈپو بلریا گنج) حقیقت رجم کے حوالوں کے کتربیونت کی تفصیلی نشاندہی اور متعلقہ بزرگوں اور اہل علم کے اصل خیالات کی تفصیل و تحقیق ان کی دوسری ابحاث اور دیگر کتابوں سے یہ کام ابھی باقی ہے۔ لیکن ان شاء اللہ اس مبارک سلسلے کا آغاز ہو گیا ہے تو دوسری کاوشیں بھی ضرور منظر عام پر آئیں گی۔

۲۷۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۸۔ دونوں تبصروں میں ایک بات مضمون کے زبان وبیان کی بھی کہی ہے۔ اس کے سلسلے میں راقم یہی کہہ سکتا ہے کہ اس نے جان بوجھ کر 'فلسفۂ نظم قرآن' کی زبان کو خراب کرنے کی کوشش نہیں کی۔ زبان کے سلسلے میں حالی کا رنگ پسند ہے جس میں تکلف اور نری عبارت آرائی سے بچ کر ہر لفظ مضمون کے ساتھ چلے اور عبارت کا کوئی حصہ ایسا نہ رہے جسے نکال دینے سے مضمون میں خلل نہ آجائے۔ بعض لفظی فروگذاشتوں کو بھی جن کی حیثیت سبقت قلم کی ہے ہدف تنقید بنایا گیا ہے۔ جن کی اصلاح خود عاجز نے مضمون کے چھپنے کے بعد کر لی ہے۔ حواشی کے نمبروں میں بھی کہیں بے ترتیبی آگئی۔ بہر حال اس کے لیے شکر گزار ہوں۔

مسلمان عورت کے حقوق اور ان پر اعتراضات کا جائزہ

مولانا سید جلال الدین عمری

یہ کتاب اس امر کی بیّن شہادت ہے کہ اسلام کے نظام معاشرت پر مصنف کو عبور حاصل ہے۔ اس میں انھوں نے آزادیٔ نسواں کے مغربی تصور کی زہرناکی بیان کی ہے۔ اس کے بعد عورتوں کو اسلام نے جو حقوق عطا کیے ہیں ان کی وضاحت ہے۔ پھر ان حقوق پر مسلم اور غیر مسلم دانشوروں کی طرف سے ہونے والے اعتراضات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ مہر ونفقہ کا مسئلہ ہو یا طلاق وخلع کا، حجاب کی بحث ہو یا تعدد ازدواج کی، خاندان کی سربراہی کا قضیہ ہو یا ریاست کی قیادت کا، نام ہی قابل ذکر ہو تو اس میں زیر بحث آگئے ہیں اور ثابت کیا گیا ہے کہ ان میں عورتوں کی مخصوص جسمانی صلاحیت، طبعی رجحانات، معاشی ذمہ داریوں اور عدل ومساوات کے تقاضوں کی بھرپور رعایت کی گئی ہے۔ اس کتاب کی اضافی خوبی اس کا علمی اور استدلالی اسلوب ہے۔ یہ کتاب وقت کی ایک اہم ضرورت پوری کرتی ہے۔ انگریزی ترجمہ زیر طبع ہے۔ ہندی اور ملک کی دیگر علاقائی زبانوں میں بھی اس قیمتی تصنیف کو جلد منتقل ہونا چاہیے۔

دوسرا ایڈیشن صفحات ۲۰۰ قیمت ۳۵ روپے

ملنے کے پتے: ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی

پان والی کوٹھی، دودھ پور، علی گڑھ ۲۰۲۰۰۱

مرکزی مکتبہ اسلامی بازار چتلی قبر۔ دہلی ۔۶

© rasailojaraid.com